تفہیم القرآن

اَلْحَدِیْد

نام | آیت ۲۵ کے فقرے وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ سے ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول | یہ بالاتفاق مدنی سورۃ ہے اور اس کے مضامین پر غور کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ غالباً یہ جنگِ اُحد اور صلحِ حُدَیْبِیَہ کے درمیان کسی زمانے میں نازل ہوئی ہے۔ وہی زمانہ تھا جب مدینہ کی مختصر سی اسلامی ریاست کو ہر طرف سے کفار نے اپنے نرغے میں لے رکھا تھا اور سخت بے سرو سامانی کی حالت میں اہلِ ایمان کی مٹھی بھر جماعت پورے عرب کی طاقت کا مقابلہ کر رہی تھی۔ اس حالت میں اسلام کو اپنے پیروؤں سے صرف جانی قربانی ہی درکار نہ تھی بلکہ مالی قربانی بھی درکار تھی، اور اس سورۃ میں اسی قربانی کے لیے پُرزور اپیل کی گئی ہے۔ اس قیاس کو آیت ۱۰ مزید تقویت پہنچاتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی جماعت کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ فتح کے بعد جو لوگ اپنے مال خرچ کریں گے اور خدا کی راہ میں جنگ کریں گے وہ اُن لوگوں کے برابر کبھی نہیں ہو سکتے جو فتح سے پہلے جان و مال کی قربانیاں دیں۔ اور اسی کی تائید حضرت اَنَسؓ کی وہ روایت کرتی ہے جسے ابن مَردُوْیَہ نے نقل کیا ہے۔ وہ آیت اَلَمْ یَانِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ کے متعلق فرماتے ہیں کہ نزولِ قرآن کے آغاز سے ۱۷ برس بعد اہلِ ایمان کو جھنجھوڑنے والی یہ آیت نازل ہوئی۔

اِس حساب سے اس کا زمانۂ نزول ۴ھ اور ۵ھ کے درمیان قرار پاتا ہے۔

موضوع اور مضمون | اس کا موضوع اِنفاق فی سبیل اللہ کی تلقین ہے۔ اسلام کی تاریخ کے اُس نازک ترین دور میں، جبکہ عرب کی جاہلیت سے اسلام کا فیصلہ کُن معرکہ برپا تھا،

یہ سورۃ اس غرض کے لیے نازل فرمائی گئی تھی کہ مسلمانوں کو خاص طور پر مالی قربانیوں کے لیے آمادہ کیا جائے اور یہ بات اُن کے ذہن نشین کرائی جائے کہ ایمان محض زبانی اقرار اور کچھ ظاہری اعمال کا نام نہیں ہے بلکہ اللہ اور اس کے دین کے لیے مخلص ہونا اس کی اصل روح اور حقیقت ہے۔ جو شخص اس رُوح سے خالی ہو اور خدا اور اس کے دین کے مقابلہ میں اپنی جان و مال اور مفاد کو عزیز تر رکھے اس کا اقرارِ ایمان کھوکھلا ہے جس کی کوئی قدر و قیمت خدا کے ہاں نہیں ہے۔

اس مقصد کے لیے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کی گئی ہیں تاکہ سامعین کو اچھی طرح یہ احساس ہو جائے کہ کس عظیم ہستی کی طرف سے ان کو مخاطب کیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد حسب ذیل مضامین سلسلہ وار ارشاد ہوتے ہیں :

—— ایمان کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ آدمی راہِ خدا میں مال صرف کرنے سے پہلو تہی نہ کرے۔ ایسا کرنا صرف ایمان ہی کے منافی نہیں ہے بلکہ حقیقت کے اعتبار سے بھی غلط ہے۔ کیونکہ یہ مال دراصل خدا ہی کا مال ہے جس پر تم کو خلیفہ کی حیثیت سے تصرّف کے اختیارات دیئے گئے ہیں۔ کل یہی مال دوسروں کے پاس تھا، آج تمہارے پاس ہے اور کل کسی اور کے پاس چلا جائے گا۔ آخر کار اسے خدا ہی کے پاس رہ جانا ہے جو کائنات کی ہر چیز کا وارث ہے۔ تمہارے کام اس مال کا کوئی حصّہ اگر آسکتا ہے تو صرف وہ جسے تم اپنے زمانۂ تصرّف میں خدا کے کام پر لگا دو۔

—— خدا کی راہ میں جان و مال کی قربانی دینا اگرچہ ہر حال میں قابلِ قدر ہے، مگر ان قربانیوں کی قدر و قیمت مواقع کی نزاکت کے لحاظ سے متعین ہوتی ہے۔ ایک موقع وہ ہوتا ہے جب کفر کی طاقت بڑی زبردست ہو اور ہر وقت یہ خطرہ ہو کہ کہیں اسلام اس کے مقابلہ میں مغلوب نہ ہو جائے۔ دوسرا موقع وہ ہوتا ہے جب کفر و اسلام کی کشمکش میں اسلام کی طاقت کا پلڑا بھاری ہو جائے اور اہلِ ایمان کو دشمنانِ حق کے مقابلہ میں فتح نصیب ہو رہی ہو۔ یہ دونوں حالتیں اپنی اہمیت کے لحاظ سے یکساں نہیں ہیں،

اس لیے جو قربانیاں اِن حالتوں میں دی جائیں وہ بھی اپنی قیمت میں برابر نہیں ہیں۔ جو لوگ اسلام کے ضعف کی حالت میں اس کو سربلند کرنے کے لیے جانیں لڑائیں اور مال صرف کریں ان کے درجہ کو وہ لوگ نہیں پہنچ سکتے جو اسلام کے غلبے کی حالت میں اس کو مزید فروغ دینے کے لیے جان و مال قربان کریں۔

—— راہِ حق میں جو مال بھی صرف کیا جاتے وہ اللہ کے ذمہ قرض ہے، اور اللہ اسے نہ صرف یہ کہ کئی گنا بڑھا چڑھا کر واپس دے گا بلکہ اپنی طرف سے مزید اجر بھی عنایت فرمائے گا۔

—— آخرت میں نور انہی اہلِ ایمان کو نصیب ہوگا جنہوں نے راہِ خدا میں اپنا مال خرچ کیا ہوگا رہے وہ منافق جو دنیا میں اپنے ہی مفاد کو دیکھتے رہے اور جنہیں اس بات کی کوئی پروا نہیں رہی کہ حق غالب ہوتا ہے یا باطل، وہ خواہ دنیا کی اس زندگی میں مومنوں کے ساتھ ملے جُلے رہے ہوں، مگر آخرت میں ان کو مومنوں سے الگ کر دیا جائے گا، نور سے وہ محروم ہونگے اور ان کا حشر کافروں کے ساتھ ہوگا۔

—— مسلمانوں کو اُن اہلِ کتاب کی طرح نہ ہو جانا چاہیے جن کی عمریں دنیا پرستی میں بیت گئی ہیں اور جن کے دل زمانۂ دراز کی غفلتوں سے پتھر ہو گئے ہیں۔ وہ مومن ہی کیا جس کا دل خدا کے ذکر سے نہ پگھلے اور اس کے نازل کردہ حق کے آگے نہ جھکے۔

—— اللہ کے نزدیک صدیق اور شہید صرف وہ اہلِ ایمان ہیں جو اپنا مال کسی جذبۂ ریا کے بغیر صدقِ دل سے اس کی راہ میں صرف کرتے ہیں۔

—— دنیا کی زندگی محض چند روزہ کی بہار اور ایک متاعِ غرور ہے۔ یہاں کا کھیل کود یہاں کی دلچسپیاں، یہاں کی آرائش و زیبائش، یہاں کی بڑائیوں پر فخر، اور یہاں کا دھن دولت جس میں لوگ ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوششیں کرتے ہیں، سب کچھ ناپائیدار ہے۔ اس کی مثال اس کھیتی کی سی ہے جو پہلے سرسبز ہوتی ہے، پھر زرد پڑ جاتی ہے اور آخر کار بھُس بن کر رہ جاتی ہے۔ پائیدار زندگی دراصل آخرت کی زندگی ہے جہاں بڑے نتائج نکلنے والے

ہیں۔ تمہیں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرنی ہے تو یہ کوشش جنت کی طرف دوڑنے میں صرف کرو۔

—— دنیا میں راحت اور مصیبت جو بھی آتی ہے اللہ کے پہلے سے لکھے ہوئے فیصلے کے مطابق آتی ہے۔ مومن کا کردار یہ ہونا چاہیے کہ مصیبت آئے تو ہمت نہ ہار بیٹھے، اور راحت آئے تو اِترا نہ جائے۔ یہ تو ایک منافق اور کافر کا کردار ہے کہ اللہ اس کو نعمت بخشے تو وہ اپنی جگہ پھول جائے، فخر جتانے لگے، اور اُسی نعمت دینے والے خدا کے کام میں خرچ کرتے ہوئے خود بھی تنگ دلی دکھائے اور دوسروں کو بھی بخل کرنے کا مشورہ دے۔

—— اللہ نے اپنے رسول کھلی کھلی نشانیوں اور کتاب اور میزان عدل کے ساتھ بھیجے تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں، اور اس کے ساتھ لوہا بھی نازل کیا تاکہ حق قائم کرنے اور باطل کا سر نیچا کرنے کے لیے طاقت استعمال کی جائے۔ اس طرح اللہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ انسانوں میں سے کون لوگ ایسے نکلتے ہیں جو اُس کے دین کی حمایت و نصرت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور اس کی خاطر جان لڑا دیں۔ یہ مواقع اللہ نے تمہاری اپنی ہی ترقی و سرفرازی کے لیے پیدا کیے ہیں، ورنہ اللہ اپنے کام کے لیے کسی کا محتاج نہیں ہے۔

—— اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے انبیاء آتے رہے جن کی دعوت سے کچھ لوگ راہِ راست پر آئے اور اکثر فاسق بنے رہے۔ پھر عیسٰی علیہ السلام آئے جن کی تعلیم سے لوگوں میں بہت سی اخلاقی خوبیاں بھی پیدا ہوئیں، مگر ان کی امت نے رہبانیت کی بدعت اختیار کر لی۔ اب اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے۔ ان پر جو لوگ ایمان لائیں گے اور خدا سے ڈرتے ہوئے زندگی بسر کریں گے، اللہ ان کو اپنی رحمت کا دُہرا حصّہ دے گا اور انہیں وہ نور بخشے گا جس سے دنیا کی زندگی میں وہ ہر ہر قدم پر ٹیڑھے راستوں کے درمیان سیدھی راہ صاف دیکھ کر چل سکیں گے۔ اہلِ کتاب چاہے اپنے آپ کو اللہ کے فضل کا ٹھیکہ دار سمجھتے رہیں، مگر اللہ کا فضل اس کے اپنے ہی ہاتھ میں ہے، اُسے اختیار ہے جسے چاہے اپنے فضل سے نواز دے۔

یہ ہے ان مضامین کا خلاصہ جو اس سُورت میں ایک ترتیب کے ساتھ مسلسل بیان ہوتے ہیں۔

اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے

اللہ کی تسبیح کی ہے ہر اُس چیز نے جو زمین اور آسمانوں میں ہے[۱]، اور وہی زبردست اور دانا ہے[۲]۔

---

[۱] یعنی ہمیشہ کائنات کی ہر چیز نے اِس حقیقت کا اظہار و اعلان کیا ہے کہ اُس کا خالق و پروردگار ہر عیب اور نقص اور کمزوری اور خطا اور بُرائی سے پاک ہے۔ اس کی ذات پاک ہے، اس کی صفات پاک ہیں، اس کے افعال پاک ہیں، اور اس کے احکام بھی، خواہ وہ تکوینی احکام ہوں یا شرعی، سراسر پاک ہیں۔ یہاں سَبَّحَ صیغۂ ماضی استعمال کیا گیا ہے، اور بعض دوسرے مقامات پر یُسَبِّحُ صیغۂ مُضارع استعمال ہُوا ہے جس میں حال اور مستقبل دونوں کا مفہوم شامل ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ ہمیشہ اپنے خالق و رب کی پاکی بیان کرتا رہا ہے، آج بھی کر رہا ہے، اور ہمیشہ کرتا رہے گا۔

[۲] اصل الفاظ ہیں هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ لفظ هُوَ کو پہلے لانے سے خود بخود حصر کا مفہوم پیدا ہوتا ہے، یعنی بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ وہ عزیز اور حکیم ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہی ایسی ہستی ہے جو عزیز بھی ہے اور حکیم بھی۔ عزیز کے معنی ہیں ایسا زبردست اور قادر و قاہر جس کے فیصلے کو نافذ ہونے سے دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی، جس کی مزاحمت کسی کے بس میں نہیں ہے، جس کی اطاعت ہر ایک کو کرنی ہی پڑتی ہے خواہ کوئی چاہے یا نہ چاہے، جس کی نافرمانی کرنے والا اُس کی پکڑ سے کسی طرح بچ ہی نہیں سکتا۔ اور حکیم کے معنی یہ ہیں کہ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے حکمت اور دانائی کے ساتھ کرتا ہے۔ اس کی تخلیق، اس کی تدبیر، اس کی فرمانروائی، اس کے احکام، اس کی ہدایات، سب حکمت پر مبنی ہیں۔ اُس کے کسی کام میں نادانی اور حماقت و جہالت کا شائبہ تک نہیں ہے۔

اس مقام پر ایک لطیف نکتہ اور بھی ہے جسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ قرآن مجید میں کم ہی مقامات ایسے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی صفتِ عزیز کے ساتھ قوی، مقتدر، جبّار اور ذوانتقام جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جن سے محض اس کے اقتدارِ مطلق کا اظہار ہوتا ہے، اور یہ صرف ان مواقع پر ہُوا ہے جہاں سلسلۂ کلام اس بات کا متقاضی تھا کہ ظالموں اور نافرمانوں کو اللہ کی پکڑ سے ڈرایا جائے۔ اس طرح کے چند مقامات کو چھوڑ کر باقی جہاں بھی اللہ تعالیٰ

کے لیے عزیز کا لفظ استعمال کیا گیا ہے وہاں اس کے ساتھ حکیم، علیم، رحیم، غفور، وہّاب اور حمید میں سے کوئی لفظ ضرور لایا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی ہستی ایسی ہو جسے بے پناہ طاقت حاصل ہو مگر اس کے ساتھ وہ نادان ہو، جاہل ہو، بے رحم ہو، درگزر اور معاف کرنا جانتی ہی نہ ہو، بخیل ہو، اور بد سیرت ہو تو اس کے اقتدار کا نتیجہ ظلم کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی ظلم ہو رہا ہے اس کا بنیادی سبب یہی ہے کہ جس شخص کو دوسروں پر بالاتری حاصل ہے وہ یا تو اپنی طاقت کو نادانی اور جہالت کے ساتھ استعمال کر رہا ہے، یا وہ بے رحم اور سنگدل ہے یا بخیل اور تنگ دل ہے، یا بدخُو اور بدکردار ہے۔ طاقت کے ساتھ ان بری صفات کا اجتماع جہاں بھی ہو وہاں کسی خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اسی لیے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ عزیز کے ساتھ اس کے حکیم و علیم اور رحیم و غفور اور حمید و وہّاب ہونے کا ذکر لازماً کیا گیا ہے تاکہ انسان یہ جان لے کہ جو خدا اس کائنات پر فرمانروائی کر رہا ہے وہ ایک طرف تو ایسا کامل اقتدار رکھتا ہے کہ زمین سے لیکر آسمانوں تک کوئی اس کے فیصلوں کو نافذ ہونے سے روک نہیں سکتا، مگر دوسری طرف وہ حکیم بھی ہے۔ اس کا ہر فیصلہ سراسر دانائی پر مبنی ہوتا ہے۔ علیم بھی ہے، جو فیصلہ بھی کرتا ہے ٹھیک علم کے مطابق کرتا ہے۔ رحیم بھی ہے، اپنے بے پناہ اقتدار کو بے رحمی کے ساتھ استعمال نہیں کرتا۔ غفور بھی ہے، اپنے زیردستوں کے ساتھ خردہ گیری کا نہیں بلکہ چشم پوشی و درگزر کا معاملہ کرتا ہے۔ وہاب بھی ہے، اپنی رعیت کے ساتھ بخیلی کا نہیں بلکہ بے انتہا فیاضی کا برتاؤ کر رہا ہے۔ اور حمید بھی ہے، تمام قابلِ تعریف صفات و کمالات اس کی ذات میں جمع ہیں۔

قرآن کے اس بیان کی پوری اہمیت وہ لوگ زیادہ اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جو حاکمیت (SOVEREIGNTY) کے مسئلے پر فلسفۂ سیاست اور فلسفۂ قانون کی بحثوں سے واقف ہیں۔ حاکمیت نام ہی اس چیز کا ہے کہ صاحبِ حاکمیت غیر محدود اقتدار کا مالک ہو۔ کوئی داخلی و خارجی طاقت اس کے حکم اور فیصلے کو نفاذ سے روکنے، یا اس کو بدلنے، یا اس پر نظر ثانی کرنے والی نہ ہو، اور کسی کے لیے اس کی اطاعت کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہو۔ اس غیر محدود اقتدار کا تصور کرتے ہی انسانی عقل لازماً یہ مطالبہ کرتی ہے کہ ایسا اقتدار جس کو بھی حاصل ہو اسے بے عیب اور علم و حکمت میں کامل ہونا چاہیے، کیونکہ اگر اس اقتدار کا حامل نادان، جاہل، بے رحم، اور بدخو ہو تو اس کی حاکمیت سراسر ظلم و فساد ہوگی۔ اسی لیے جن فلسفیوں نے کسی انسان، یا انسانی ادارے، یا انسانوں

زمین اور آسمانوں کی سلطنت کا مالک وہی ہے، زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے، اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ وہی اوّل بھی ہے اور آخر بھی، اور ظاہر بھی ہے اور مخفی بھی[۳]، اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

کے مجموعے کو حاکمیت کا حامل قرار دیا ہے ان کو یہ فرض کرنا پڑا ہے کہ وہ غلطی سے مبّرا ہو گا۔ مگر ظاہر ہے کہ نہ تو غیر محدود حاکمیت فی الواقع کسی انسانی اقتدار کو حاصل ہو سکتی ہے، اور نہ یہی ممکن ہے کہ کسی بادشاہ، یا پارلیمنٹ، یا قوم یا پارٹی کو ایک محدود دائرے میں جو حاکمیت حاصل ہو اُسے وہ بے عیب اور بے خطا طریقے سے استعمال کر سکے۔ اس لیے کہ ایسی حکمت جس میں نادانی کا شائبہ نہ ہو اور ایسا علم جو تمام متعلقہ حقائق پر حاوی ہو، سرے سے پوری نوعِ انسانی ہی کو حاصل نہیں ہے کجا کہ وہ انسانوں میں سے کسی شخص یا ادارے یا قوم کو نصیب ہو جائے۔ اور اسی طرح انسان جب تک انسان ہے اس کا خود غرضی، نفسانیت، خوف، لالچ، خواہشات، تعصب اور جذباتی رضا و غضب اور محبت و نفرت سے بالکل پاک اور بالاتر ہونا بھی ممکن نہیں ہے۔ ان حقائق کو اگر کوئی شخص نگاہ میں رکھ کر ۔ ۔ ۔ غور کرے تو اسے محسوس ہو گا کہ قرآن اپنے اس بیان میں درحقیقت حاکمیت کا بالکل صحیح اور مکمل تصور پیش کر رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "عزیز" یعنی اقتدارِ مطلق کا حامل اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہے، اور اس غیر محدود اقتدار کے ساتھ وہی ایک ہستی ایسی ہے جو بے عیب ہے، حکیم و علیم ہے، رحیم و غفور ہے اور حمید و وہّاب ہے۔

[۳] یعنی جب کچھ نہ تھا تو وہ تھا اور جب کچھ نہ رہے تو وہ رہے گا۔ وہ سب ظاہروں سے بڑھ کر ظاہر ہے، کیونکہ دنیا میں جو کچھ بھی ظہور ہے اسی کی صفات اور اسی کے افعال اور اسی کے نور کا ظہور ہے۔ اور وہ ہر مخفی سے بڑھ کر مخفی ہے، کیونکہ حواس سے اس کی ذات کو محسوس کرنا تو درکنار، عقل و فکر و خیال تک اس کی کنہ و حقیقت کو نہیں پا سکتے۔ اس کی بہترین تفسیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا کے یہ الفاظ ہیں جنہیں امام احمد، مسلم، ترمذی اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہؓ سے اور حافظ ابو یعلیٰ موصلی نے اپنی مسند میں حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے:

انت الاوّل فلیس قبلك شیئ	تو ہی پہلا ہے، کوئی تجھ سے پہلے نہیں
وانت الآخر فلیس بعدك شیئ	تو ہی آخر ہے، کوئی تیرے بعد نہیں
وانت الظاھر فلیس فوقك شیئ	تو ہی ظاہر ہے کوئی تجھ سے اوپر نہیں

وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور پھر عرش پر جلوہ فرما ہوا۔[۴] اس کے علم میں ہے جو کچھ زمین میں جاتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے۔[۵] وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔[۶] جو کام بھی تم کرتے ہو اسے وہ دیکھ رہا ہے۔[۷]

(وانت الباطن فلیس دونک شیئ) تو ہی باطن ہے، کوئی تجھ سے مخفی تر نہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ کے لیے خلود اور ابدی زندگی کا جو ذکر کیا گیا ہے اس کے ساتھ یہ بات کیسے نبھ سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آخر ہے، یعنی جب کچھ نہ رہے گا تو وہ رہے گا؟ اس کا جواب خود قرآن مجید ہی میں موجود ہے کہ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (القصص۔۸۸)۔ یعنی "ہر چیز فانی ہے اللہ کی ذات کے سوا" دوسرے الفاظ میں ذاتی بقا کسی مخلوق کے لیے نہیں ہے۔ اگر کوئی چیز باقی ہے یا باقی رہے تو وہ اللہ کے باقی رکھنے ہی سے باقی ہے اور اس کے باقی رکھنے ہی سے باقی رہ سکتی ہے۔ ورنہ بذاتِ خود اس کے سوا سب فانی ہیں۔ جنت اور دوزخ میں کسی کو خلود اس لیے نہیں ملے گا کہ وہ بجائے خود غیر فانی ہے، بلکہ اس لیے ملے گا کہ اللہ اس کو حیاتِ ابدی عطا فرمائے گا۔ یہی معاملہ فرشتوں کا بھی ہے کہ وہ بذاتِ خود غیر فانی نہیں ہیں۔ جب اللہ نے چاہا تو وہ وجود میں آئے، اور جب تک وہ چاہے اسی وقت تک وہ موجود رہ سکتے ہیں۔

[۴] یعنی کائنات کا خالق بھی وہی ہے اور فرمانروا بھی وہی (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو الاعراف حواشی ۴۱-۴۲۔ یونس، حاشیہ ۴۔ الرعد، حواشی ۲ تا ۵۔ حم السجدہ، حواشی ۱۱ تا ۱۵)۔

[۵] بالفاظ دیگر وہ محض کلیات ہی کا عالم نہیں ہے بلکہ جزئیات کا علم بھی رکھتا ہے۔ ایک ایک دانہ جو زمین کی تہوں میں جاتا ہے، ایک ایک پتی اور کونپل جو زمین سے پھوٹتی ہے، بارش کا ایک ایک قطرہ جو آسمان سے گرتا ہے، اور بخارات کی ہر مقدار جو سمندروں اور جھیلوں سے اٹھ کر آسمان کی طرف جاتی ہے، اس کی نگاہ میں ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ کونسا دانہ زمین میں کس جگہ پڑا ہے، تبھی تو وہ اسے پھاڑ کر اس میں سے کونپل نکالتا ہے اور اسے پرورش کر کے بڑھاتا ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ بخارات کی کتنی کتنی مقدار کہاں کہاں سے اٹھی ہے اور کہاں پہنچی ہے، تبھی تو وہ ان سب کو جمع کر کے بادل بناتا ہے اور زمین کے مختلف حصوں پر بانٹ کر ہر جگہ

وہی زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے اور تمام معاملات فیصلے کے لیے اُسی کی طرف رجوع کیے جاتے ہیں۔ وہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے، اور دلوں کے چھپے ہوئے راز تک جانتا ہے۔

ایک حساب سے بارش برساتا ہے۔ اسی پر اُن دوسری تمام چیزوں کی تفصیلات کو قیاس کیا جاسکتا ہے جو زمین میں جاتی اور اس سے نکلتی ہیں اور آسمان کی طرف چڑھتی اور اس سے نازل ہوتی ہیں۔ ان سب پر اللہ کا علم حاوی نہ ہو تو ہر چیز کی علیحدہ علیحدہ تدبیر اور ہر ایک کا انتہائی حکیمانہ طریقہ سے انتظام کیسے ممکن ہے۔

۶ یعنی کسی جگہ بھی تم اُس کے علم، اُس کی قدرت، اُس کی فرمانروائی اور اس کی تدبیر و انتظام سے باہر نہیں ہو۔ زمین میں، ہوا میں، پانی میں، یا کسی گوشۂ تنہائی میں، جہاں بھی تم ہو، اللہ کو معلوم ہے کہ تم کہاں ہو۔ وہاں تمہارا زندہ ہونا بجائے خود اس کی علامت ہے کہ اللہ اُسی جگہ تمہاری زندگی کا سامان کر رہا ہے۔ تمہارا دل اگر دھڑک رہا ہے، تمہارے پھیپھڑے اگر سانس لے رہے ہیں، تمہاری سماعت اور بینائی اگر کام کر رہی ہے تو یہ سب کچھ اسی وجہ سے ہے کہ اللہ کے انتظام سے تمہارے جسم کے سب کل پرزے چل رہے ہیں۔ اور اگر کسی جگہ بھی تمہیں موت آتی ہے تو اسی وجہ سے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے بقا کا انتظام ختم کر کے تمہیں واپس بلا لینے کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔